حضرت ایوب، حضرت یونس علیہم السلام کی دعائیں
اوران دعاؤں کی قبولیت کے راز

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ رمئی ۱۹۹۱ء بمقام ناصر باغ (گروس گیراؤ جرمنی)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:۔

آج کا خطبہ میں ناصر باغ فرینکفرٹ جرمنی سے دے رہا ہوں جہاں مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے آیا ہوں چونکہ یہ خطبہ براہ راست مختلف ممالک میں سنا جانے لگا ہے اس لئے ان کی اطلاع کی خاطر یہ وضاحت کر رہا ہوں، اس وقت ٹوکیو، سویڈن، ناروے، ماریشس اور یوکے کے علاوہ جرمنی میں بھی دو اور جگہوں پر یہ خطبہ سنا جارہا ہے۔ U.K کی مجالس یا جماعتیں جواب خطبہ سنتی ہیں ان کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ اس وقت سات U.K کے ایسے شہر ہیں جہاں براہ راست اس خطبہ کی آواز پہنچ رہی ہے۔

پیشتر اس کے کہ سلسلہ مضمون جاری رکھتے ہوئے قرآن کریم کی دعاؤں کا ذکر کروں ایک اعلان اس اجتماع کی نسبت سے میں آپ کے سامنے کرنا چاہتا ہوں۔ مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ جرمنی نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کی ضروریات اتنی بڑھ چکی ہیں کہ ان کو ایک ایوان خدمت کی تعمیر کی ضرورت ہے اس غرض سے انہوں نے اجازت بھی چاہی اور ایک سرسری سا منصوبہ بھی سامنے رکھا۔ اصولاً اس کی میں نے منظوری دیدی ہے اور امید رکھتے ہیں کہ انشاء اللہ تین سال تک وہ ایوان خدمت تیار ہو جائے گا لیکن سب سے پہلا مرحلہ اس کے لئے مناسب زمین کی تلاش

ہے۔ جہاں تک چندوں کا تعلق ہے اس سلسلہ میں مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کو اس شرط کے ساتھ چندہ اکٹھا کرنے کی منظوری دی ہے کہ کسی خادم کو اس چندہ کے نتیجے میں یہ عذر نہ ہو کہ میرے دوسرے جماعتی چندے متاثر ہو گئے ہیں اس لئے تمام وہ خدام جو شوق کے ساتھ اس چندہ میں حصہ لینا چاہیں اس شرط کے ساتھ حصہ لیں گے کہ خدام الاحمدیہ کے ہال کی تعمیر کے سلسلہ میں جو بھی مالی قربانی وہ پیش کریں اسے جماعت کے دوسرے چندوں میں کمی کرنے کا عذر نہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ یہ اعلان اس لئے ضروری تھا کہ خلیفۃ المسیح کی اجازت کے بغیر کسی قسم کا کوئی چندہ اکٹھا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اور خدام الاحمدیہ بھی اور دیگر ذیلی تنظیمیں بھی اس بات کی پابند ہیں اور پابند رہنی چاہئیں کہ جماعت سے جو بھی استثنائی چندے طلب کرنا چاہیں ان کی پہلے باقاعدہ اجازت حاصل کریں۔

اب میں سلسلہ مضمون کی طرف لوٹتا ہوں، سورۂ فاتحہ میں جو ہمیں یہ دعا سکھائی کہ اے خدا ہمیں سیدھے راستہ پر ڈال، وہ راستہ جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے انعام فرمایا۔ اس ضمن میں انعام کی راہ پر چلنے والے یا خدا کی راہ کے وہ مسافر جو انعام یافتہ شمار ہوئے ان کا ذکر قرآن کریم میں مختلف شکلوں میں ملتا ہے اور ان کی دعائیں بھی محفوظ کر دی گئی ہیں۔ ان دعاؤں کے سلسلہ میں ایک دعا نظر سے رہ گئی تھی جس کا بیان پہلے ہونا چاہئے تھا اس لئے میں اس دعا سے آج کا مضمون شروع کروں گا۔ پھر چونکہ بعد کی چند دعائیں پہلے خطبہ میں بیان ہو چکی ہیں ان کی ضرورت نہیں ہوگی اور پھر اس پہلی بھولی ہوئی دعا کے بعد حضرت ایوبؑ کی دعا سے سلسلہ مضمون شروع ہو جائے گا۔

وہ دعا حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھائی گئی اور دعا یہ ہے: رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا (بنی اسرائیل:۸۱) اے میرے رب! مجھے صدق کے ساتھ داخل فرما یعنی میرا قدم سچائی پر پڑتا ہو اور سچائی کے ساتھ میں داخل ہوں۔ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ اور اسی طرح سچائی پر قدم رکھتے ہوئے یا سچائی کے قدم کے ساتھ میں اس منزل سے باہر نکلوں وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا اور میرے لئے اپنی جناب سے ایک ایسا مددگار عطا فرما جو غالب اور قوت والا ہے۔ یہ وہ سورۃ ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اگرچہ اس بارہ میں اختلاف ہے

لیکن جو مستشرقین محققین باقی مسلمان علماء سے اختلاف بھی رکھتے ہیں ان کے نزدیک بھی سن ۱۲ھ تک کا زمانہ ہے اس عرصہ کے اندر اندر یہ سورۃ نازل ہو چکی تھی اور بعض مفسرین تو اس سے بہت پہلے کا زمانہ بتاتے ہیں بہر حال ہجرت سے پہلے کی یہ سورۃ ہے اور اس آیت کے متعلق بھی یہ تحقیق شدہ بات ہے کہ اس دعا میں دراصل ہجرت کی بھی پیشگوئی فرمائی گئی تھی۔لیکن صرف ہجرت تک اس دعا کا مضمون محدود نہیں جیسا کہ میں بیان کروں گا اس سے زیادہ وسیع تر معانی اس میں پائے جاتے ہیں۔

آنحضور ﷺ نے ۱۳ سال نبوت کے مکہ میں بسر فرمائے۔تیرہ سال تک دکھ جھیلے اور پھر تیرہویں سال کے آخر پر کم وبیش اس عرصہ میں آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔پس یہ دعا آپ کو یہ بتا رہی تھی کہ اے محمد ﷺ تجھے اس شہر سے نکلنا بھی ہے اور دوبارہ اس شہر میں داخل بھی ہونا ہے۔تیرا نکلنا بھی سچائی کے ساتھ ہوگا اور تیرا دوبارہ اس شہر میں داخل ہونا بھی سچائی کے ساتھ ہوگا لیکن اس میں نکلنے اور داخل ہونے کی ترتیب کو بدل دیا گیا ہے اور داخل ہونے کا ذکر پہلے ہے اور نکلنے کا بعد میں فرمایا۔اے محمد ﷺ گویا کہ آپ کو دعا سکھائی جارہی ہے کہ تو یہ دعا کیا کر۔رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ اے میرے رب مجھے صدق کے ساتھ داخل فرما وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ اور صدق کے ساتھ مجھے نکلنے کی توفیق عطا فرما۔تو مکہ سے تو پہلے نکلنا تھا پھر ادخال کا ذکر کیوں پہلے فرمایا۔اس میں حکمت یہ ہے کہ آنحضرت صلی ﷺ کو ایک لحظہ کے لئے بھی خدا تعالیٰ اس دکھ میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا کہ گویا میں مکہ سے نکلوں گا اور پھر شاید واپس آؤں یا نہ آؤں۔پس واپسی کو زیادہ قطعی اور یقینی بنا کر پہلے پیش کر دیا گیا اور جس وقت یہ وحی نازل ہوئی ہے اس وقت اخراج سے پہلے آپ کو یہ خبر دیدی گئی کہ آپ نے ضرور اس شہر میں داخل ہونا ہے اس لئے جہاں تک نکلنے کا تعلق ہے اس سلسلہ میں کسی قسم کے تفکر اور غم کی ضرورت نہیں۔

دوسرا اس میں حکمت یہ تھی کہ مکہ سے جس حالت میں نکالے جارہے تھے اس حالت کے متعلق دشمن یہ کہتا تھا کہ یہ صدق کی حالت نہیں ہے، آپ سچائی کی حالت میں نہیں نکالے جارہے۔دشمن آپ کو جھوٹا، کذاب، مفتری اور طرح طرح کے اور بدنام دیتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ جھوٹا ہے، اس نے خدا پر اپنی طرف سے بات گھڑ لی ہے، مگر مدینہ جس نے آپ کا استقبال کیا اس نے صدق کے ساتھ آپ کا استقبال کیا، صدق کی گواہی دیتے ہوئے استقبال کیا۔پس رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ کا مضمون

مدینہ کی نسبت سے یہ ہوگا کہ اے محمدؐ اب تو اس شہر میں داخل ہونیوالا ہے جو تیرے صدق پر گواہ ہوگا اور صدق کے ساتھ تجھے قبول کرے گا اور پھر جب تو نکلے گا تو صدق کے ساتھ ہی نکلے گا اور دوبارہ اس شہر میں داخل ہوگا اور دوبارہ داخلے کا مضمون چونکہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس لئے فتح مکہ کے اوپر اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ کا مضمون صادق آئے گا اور یہ بات بن جائے گی کہ جب تو دوبارہ اس شہر میں داخل ہوگا اس وقت شہر کا ذرہ ذرہ اس کی اینٹ اینٹ اس کی ساری فضا گواہی دے رہی ہوگی کہ یہ مرد صادق ہے جو واپس اپنے شہر کو لوٹ کر آیا ہے اور چونکہ یہ ایک پیشگوئی تھی اس لئے اس کے پورا ہونے کے نتیجہ میں از خود ہی آپ کا صدق مکہ میں داخل ہوتے ہوئے ظاہر و باہر ہو جانا تھا۔ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا کا مطلب ہے اور میرے لئے اپنی جناب سے کوئی ایسے مددگار انصار عطا فرمادے جن کو تو طاقت عطا کرے، غلبہ عطا کرے اور ان کی مدد معنی خیز ہو، کوئی کمزور مددگار نہ ہو بلکہ غالب اور طاقتور مددگار ہو چنانچہ یہ دعا بھی انصار مدینہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے بعینہٖ اسی طرح قبول فرمائی جیسا کہ سکھائی تھی اور انصار مدینہ کو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ کی غالب نصرت کرنے کی توفیق ملی اور انصار نے جو مدد کی ہے وہ اگرچہ بظاہر انصار کی طرف سے ہے مگر مِنۡ لَّدُنۡكَ کے لفظ نے یہ بتادیا کہ انصار کی مدد اللہ کے ایماء پر ہے اور اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کے بغیر اس مدد کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ پس بظاہر آنحضرت ﷺ اور آپ کے مہاجر ساتھی انصار کے ممنون احسان ہونے والے تھے مگر خدا تعالیٰ نے دعا میں مِنۡ لَّدُنۡكَ کا لفظ رکھ کر یہ خوشخبری بھی ساتھ دیدی کہ تیری اس دعا کے نتیجہ میں وہ مدد کریں گے ان کے دل تبدیل کئے جائیں گے ان کو توفیق عطا کی جائے گی اس لئے تو یہ نہ سمجھنا کہ کسی انسان کے زیر احسان آرہا ہے بلکہ دعا کے نتیجہ میں یہ مدد خالصۃً للہ ہی کی طرف سے ہوگی۔

دوسرا اس دعا کا ایک تعلق عام روزمرہ کے سفروں سے بھی ہے اور قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ قرآنی دعائیں وسیع معانی رکھتی ہیں اور مختلف حالات پر چسپاں ہوسکتی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں اس لئے قرآن کریم کی جو دعائیں خاص مواقع سے بھی تعلق رکھتی تھیں حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ اور آپ کے صحابہ ان کو مختلف ملتے جلتے مواقع پر بھی استعمال کیا کرتے تھے اور ان سے استفادہ کرتے تھے۔ پس روزمرہ کے سفروں میں یہ دعا بہت ہی مفید ہے اور میں نے خود اس کا تجربہ کر کے دیکھا ہے

اور حیرت انگیز طور پر اس دعا کے نیک اثرات کا مشاہدہ کیا ہے۔ایک دفعہ میرا خیال تھا کہ اس موضوع پر جماعت سے الگ خطاب کروں کہ دعا کے نتیجہ میں سفروں میں جو حیرت انگیز سہولتیں میسر آتی ہیں وہ اتفاقی حادثات کے نتیجہ میں نہیں ہوتیں بلکہ ایسا مسلسل نصرت الٰہی کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے کہ کوئی معمولی عقل کا انسان بھی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس میں غیبی ہاتھ ہے لیکن چونکہ اس سلسلہ مضامین میں اتنے لمبے عرصے کے لئے ایک دوسرے مضمون کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے اس لئے آئندہ کسی وقت انشاء اللہ اس حصہ کو آپ کے سامنے رکھوں گا۔

اس دعا کا ایک اور بہت ہی اہم مفہوم انسان کے مراتب سے تعلق رکھتا ہے۔انسان ہمیشہ حالتیں بدلتا رہتا ہے۔ایک حالت سے نکل کر دوسری حالت میں داخل ہوتا ہے۔یہ حالت بدی سے اچھائی کی طرف بھی حرکت کرسکتی ہے اور اچھائی سے بدی کی طرف بھی حرکت کرسکتی ہے۔یعنی اس حالت کا بدلنا بدی سے اچھائی کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور اچھائی سے بدی کی طرف بھی ہوسکتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے جہاں یہ دعا سکھائی وہاں صدق کا لفظ ساتھ سمجھا دیا کہ یہ دعا کرنا کہ اے خدا! جب بھی میری حالت تبدیل ہو سچائی کے ساتھ تبدیل ہو۔اس آیت سے پہلے جو مضمون چل رہا ہے، وہ آنحضرت ﷺ کے بلند مراتب کا مضمون ہے اور پہلی آیت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو یہ نصیحت فرمائی کہ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل:۸۰) کہ اے میرے بندے! راتوں کو اٹھ کر تہجد کے نوافل ادا کیا کر اور خدا کی راہ میں جدوجہد کیا کر۔ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا اس کے نتیجہ میں ہرگز بعید نہیں بلکہ قریب ہے کہ تجھے مقام محمود عطا کیا جائے۔

یہاں مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کو نکرہ رکھ کر اس مقام کے بہت ہی عظیم الشان ہونے کی طرف اشارہ فرما دیا گیا۔پس اس دعا کے معاً بعد یہ دعا رکھی یعنی اس خوشخبری کے بعد کہ خدا تعالیٰ تجھے بہت ہی عظیم مقام اور مرتبہ عطا فرمانیوالا ہے، یہ دعا سکھائی رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ کہ اے خدا جس مقام پر تو مجھے فائز فرمانا چاہتا ہے یا جس پر فائز فرمانے کا تو نے فیصلہ فرمالیا ہے اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ مجھے صدق کے ساتھ اس میں داخل فرمانا وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ اور اس مقام پر ٹھہرائے نہ رکھنا بلکہ اس سے آگے بلند تر مقامات کی طرف بھی ہاتھ پکڑ کر لے جانا اور صدق

کے ساتھ لے جانا۔ یہاں صدق کے لفظ نے تنزل کی نفی فرمادی۔ چونکہ بعض دفعہ ایک انسان ایک اعلیٰ مرتبہ حاصل کرنے کے باوجود اس مرتبہ پر اپنی شامت اعمال کے نتیجہ میں قائم نہیں رہ سکتا جیسا کہ قرآن کریم نے بلعم باعور کی مثال دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی صلاحیتیں عطا کی تھیں کہ اگر وہ چاہتا یعنی اگر وہ نیک اعمال پر استقامت اختیار کرتا اور خدا کی طرف رفعتیں حاصل کرنا چاہتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان صلاحیتوں کے نتیجہ میں جو اسے عطا کی گئی تھیں اسے بلند مقام عطا فرما سکتا تھا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ لیکن وہ بدبخت ایسا نکلا کہ وہ دوبارہ زمین کی طرف جھک گیا پس اس کا بلند مرتبہ سے نکلنا مُخْرَجَ صِدْقٍ نہیں کہلا سکتا کیونکہ وہ سچائی کی بجائے جھوٹ کے قدم کے ساتھ باہر نکلا۔ پس آنحضرت ﷺ کو یہ کامل دعا سکھائی گئی کہ تیرا داخل ہونا بھی صدق کے ساتھ ہو اور تیرا نکلنا بھی صدق کے ساتھ ہو یعنی تنزل کی طرف تو نہ جائے بلکہ ہمیشہ مراتب کی طرف تیرا قدم آگے بڑھتا رہے۔ دوسرا صدق کا معنی یہاں ایسا ہے جسے تمام مومنین کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔

بسا اوقات انسان کو اعلیٰ مراتب کی تمنا ہوتی ہے اور اس تمنا میں خود غرضی بھی داخل ہو جاتی ہے، ریاکاری بھی داخل ہو جاتی ہے اور انسان چاہتا ہے کہ میں بھی نیک شمار کیا جاؤں اور دنیا کی نظر میں میرا مرتبہ بلند ہو اور مجھے مقام محمود حاصل ہو، یعنی دنیا کی نگاہ میں مقام محمود حاصل ہو ایسے لوگوں کو بعض دفعہ ایسے روحانی تجارب سے ملتے جلتے تجارب ہوتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خدا کے مقرب بن گئے ہیں حالانکہ وہ روحانی تجارب نہیں ہوتے وہ شیطانی تجارب ہوتے ہیں۔ پس ہر وہ شخص جو بلند پردازی کا خواہشمند ہے، جو خدا تعالیٰ کا قرب چاہتا ہے اس کو یہ دعا بہت ہی باقاعدگی کے ساتھ اور اس کے مضامین میں ڈوب کر کرنی چاہئے ورنہ اس کا قدم قدم صِدْقٍ نہیں رہے گا۔

پس رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا مجھے جو بھی بلند مرتبہ عطا فرما وہ سچائی کے ساتھ ہو۔ اس میں میرے دل کی نفسانی خواہشات کا کوئی بھی دخل نہ ہو اس میں میرے جھوٹ کا کوئی دخل نہ ہو۔ وہ خالصۃً سچائی کا قدم ہو جو ترقیوں کی طرف اٹھنے والا ہو اور تیری رضا اسے حاصل رہے اور اسی طرح جب میں اس مقام سے نکال کر ایک بلند تر مقام کی طرف لے جایا جاؤں تو تب بھی میری ادنیٰ تمناؤں کا اس میں کوئی دخل نہ ہو بلکہ ارفع و اعلیٰ مقاصد کے لئے تجھ سے ہی مدد مانگتے ہوئے میں آگے بڑھنے والا بنوں۔ پس یہ دعا بہت ہی کامل جامع اور مانع دعا ہے۔

زندگی کے مختلف مراحل پر، مختلف حالات پر چسپاں ہوتی ہے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے روزمرہ کے سفروں کے سوا دنیا کے ہر سفر پر جو ظاہری ہو یا روحانی ہو اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ پس دنیا کے کاروبار میں جہاں مثلاً انسان بعض ملازمتیں مثلاً کرتا ہے اور ترقیاں پاتا ہے اس وقت بھی یہ دعا کام آسکتی ہے ورنہ بعض لوگ ترقی پاتے ہیں اور پھر ذلت کے ساتھ نکالے جاتے ہیں۔ تو پیشتر اس سے کہ وہ ترقی حاصل کریں اگر اس دعا کو وہ اپنی حرز جان بنا چکے ہوں اور ہمیشہ اس دعا کی طرف ان کی توجہ رہے تو زندگی کا جو بھی مرحلہ پیش آئے گا جس میں ایک حالت دوسری حالت میں تبدیل ہوتی ہے یہ دعا ان کے کام آئے گی۔

اب وہ چند دعائیں جو اس کے بعد قرآن میں بیان ہوئی ہیں وہ میں بیان کر چکا ہوں۔ اب حضرت ایوبؑ کی اس دعا کی طرف آتا ہوں، سورۃ انبیاء آیت ۸۴ میں اس کا ذکر ہے۔ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ اور یاد کرو ایوب کو کہ جب اس نے بڑے درد سے اپنے رب کو پکارا کہ اے خدا مجھے تو بہت ہی دکھ پہنچ چکا ہے وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ اور میں جانتا ہوں کہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر تو رحم کرنے والا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت ایوبؑ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا مختصراً ذکر کرتا ہوں اور آپ کا تعارف بھی کرواتا ہوں کیونکہ بہت سے لوگ حضرت ایوبؑ کے متعلق بہت کم جانتے ہیں۔ حضرت ایوب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پندرہ سو سال کے لگ بھگ پہلے پیدا ہوئے۔ ۱۵۵۰ء کے قریب بیان کیا جاتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دوسو سال پہلے۔ آپ کی شخصیت کے متعلق اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بعضوں کے نزدیک آپ بنی اسرائیلی نبی تھے اور بعضوں کے نزدیک آپ باہر کے کوئی نبی تھے جن کا ذکر وہاں ملتا ہے۔ مسلمان مفسرین نے آپ کو شام کے علاقے میں پیدا ہونیوالا بتایا ہے اور بائبل میں مقام کا ذکر ہے لیکن اس کا مجھے صحیح پتا نہیں چل سکا کہ وہ کس علاقے کا شہر ہے جس کی طرف آپ کو نسبت دی گئی ہے۔ غالباً موز ولفظ ہے جس کے متعلق میں ابھی تحقیق نہیں کر سکا کہ وہ کونسا علاقہ بتایا جاتا ہے۔ بہرحال جہاں تک بائبل کی روایات کا تعلق ہے ان کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ حضرت ایوب کو خدا تعالیٰ نے بہت سی نعمتیں عطا فرمائیں، دنیاوی اموال بھی، ریوڑ گلے، ہر قسم کے جانور، بیوی بچے، بہت ہی خوشحالی عطا فرمائی اور اس وقت علاقہ کے امیر ترین

انسانوں میں سے تھے اور بہت ہی فیاض اور خدمت کرنے والے انسان تھے۔شیطان کو آپ پر حسد ہوا اور شیطان نے خدا تعالیٰ سے بات کرتے ہوئے یہ کہا کہ ایوبؑ جو تیرا بندہ ہے تو اس پر نازاں ہے کہ بڑی عبادت کرنے والا اور ان سب نعمتوں کے باوجود مجھے نہ بھلانے والا ہے لیکن اسے آزمائش میں ڈال کر دیکھ پھر پتا چلے گا۔چنانچہ اس کے اموال تباہ کر دے پھر میں دیکھوں گا کہ وہ کیسے تیرا بندہ رہتا ہے۔اس پر خدا تعالیٰ نے اسے کہا کہ ہاں اموال پر تجھے تصرف دیا جاتا ہے اور حضرت ایوبؑ کے تمام اموال تباہ ہو گئے۔پھر اس نے اولاد کا طعنہ دیا کہ اولاد تو اچھی ہے۔دنیا کے جانوروں اور دولتوں کی بعضوں کو پرواہ نہیں ہوتی اولاد کا صدمہ برداشت نہیں کر سکتے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد کو پہلے جلاوطن کروایا پھر مرنے دیا اور اولاد ضائع ہوگئی۔پھر شیطان نے کہا کہ اس کے بدن کے اوپر مجھے تصرف دیا جائے۔خدا تعالیٰ نے کہا کہ اگر بدن کی آزمائش بھی چاہتے ہو تو یہ بھی کر کے دیکھ لو چنانچہ آپ کے بدن کو ایسی بیماری لگ گئی کہ بائبل کے بیان کے مطابق جس میں ناسور ہو گئے اور نہایت ہی مکروہ قسم کی بیماری تھی جس سے لوگ بھی کراہت کر کے پناہ مانگتے تھے اور دوڑتے تھے اور جسم میں کیڑے پڑ گئے اور لوگوں نے آپ کو نکال کر بستی سے باہر کر دیا۔تب بھی حضرت ایوبؑ صابر و شاکر رہے اور خدا کے ساتھ وفا میں کوئی کمی نہ آئی۔تب شیطان نے خدا سے کہا کہ بیوی تو ابھی تک ساتھ ہے اور وہ وفادار ہے، بیوی کی طرف سے بھی اس کو کچھ صدمہ پہنچے تو بیوی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے شیطان کی چال میں آ کر یا کہانی یوں بیان کی گئی ہے کہ شیطان نے خود ہی سوچا کہ جس طرح میں نے حوا کو گمراہ کیا تھا میں اس کی بیوی کو بھی گمراہ کروں تاکہ یہ بھی ساتھ نہ رہے پھر میں دیکھوں گا کہ اس کا صبر ٹوٹتا ہے کہ نہیں۔چنانچہ اس نے بیوی کو یہ کہا کہ یہ بچھڑا یا کوئی جانور میرے نام پر ذبح کرو تو تمہارا خاوند اچھا ہو جائے گا گویا شرک کی تعلیم دی اور بیوی اس پر اس حد تک آمادہ ہوگئی کہ اس نے حضرت ایوبؑ سے اس کا ذکر کیا اور یہاں تک کہا کہ تو اب خدا کو چھوڑ۔کہاں تک صبر کرے گا۔اس سے موت مانگ اور اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر۔حضرت ایوبؑ اس پر ناراض ہوئے اور عہد کیا کہ اگر میں اچھا ہو جاؤں گا تو اس کو سو کوڑے ماروں گا۔اس شرک میں مبتلا ہونے کے نتیجہ میں یعنی بطور سزا اس کو میں سو کوڑے ماروں گا۔اس پر بیوی چھوڑ کر چلی گئی اور اکیلے رہے۔تب بھی حضرت ایوبؑ ثابت قدم رہے۔تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ یہ تیری آزمائش کا دور تھا، تو اس پر

پورا اترا ہے اور جو کچھ تیرے نقصانات تھے وہ سب پورے ہو جائیں گے اور اب تو پہلی حالتوں کی طرف بلکہ ان سے بھی بہتر حالتوں کی طرف لوٹایا جائے گا۔ پھر بیوی بھی ملتی ہے۔ پھر اولاد بھی آتی ہے پھر اور جو شہر کے لوگ نکالنے والے تھے ان کے اندر بھی ندامت پیدا ہوتی ہے گویا کہ انجام اس واقعہ کا یہ ہے کہ حضرت ایوبؑ دوبارہ اپنی صحت کی طرف بھی لوٹ آتے ہیں۔ پرانی شان اور آن بان کی طرف بھی لوٹ آتے ہیں۔ سب چھوٹے ہوئے، روٹھے ہوئے ساتھی واپس آجاتے ہیں، یہ ہے خلاصہ اور مفسرین نے بھی کم وبیش یہی مضمون بیان کیا ہے لیکن بعض تبدیلیوں کے ساتھ اور بائیبل نے یہ لکھا ہے کہ شیطان فرشتوں کے گروہ میں شامل ہو کر خدا کے حضور میں پیش ہوا اور اس طرح خدا سے اس نے گویا فرشتہ بن کر باتیں کیں اور یہ سارا قصہ اس کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ مفسرین نے اس کو قبول نہیں کیا اور اس کو نیا رنگ یہ دیدیا ہے کہ اس زمانے میں یعنی کہ حضرت ایوبؑ کے زمانے میں شیطان بعض دفعہ فرشتوں اور نبیوں کے درمیان باتیں سن لیا کرتا تھا مچان لگا کر بیٹھا رہتا تھا اور وہ باتیں سن لیا کرتا تھا۔ تو ایک دفعہ فرشتوں کی اور حضرت ایوبؑ کی باتیں ہو رہی تھیں اور بڑی ان کی تعریف ہو رہی تھی اور انہوں نے خدا سے عرض کیا کہ دیکھو کیسا نعمتوں والا بندہ ہے اور پھر اس کے باوجود عبادت کرتا ہے تو اس پر شیطان کو پتا چل گیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس نے پھر یہ شرارت شروع کی۔

حضرت مصلح موعودؓ نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے کہ اس سے ملتا جلتا ایک دفعہ ہریش چندر ایک ہندو بزرگ کا بھی بیان کیا جاتا ہے جن کے متعلق یہ آتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسی طرح انعام یافتہ تھے جس طرح حضرت ایوبؑ کے ذکر میں ملتا ہے مگر وہاں شیطان کی بجائے بعض دیوتاؤں کو حسد پیدا ہوا حضرت مصلح موعودؓ نے تو تفصیل سے ذکر نہیں کیا مگر میں نے پھر ان روایات کو مختلف تاریخی حوالوں سے دیکھا ہے۔

ہریش چندر کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں لیکن خلاصہ مختصراً یہی ہے کہ وہاں دیوتاؤں کو اس پر رشک آیا اور انہوں نے ہندو میتھالوجی کے مطابق سب سے بڑے خدا سے یہ کہا کہ ہمیں موقع دیں ہم اس کو آزمائش میں ڈالتے ہیں۔ چنانچہ ایک دیوتا انسان کے روپ میں گیا، اس نے ہریش چندر سے کہا سنا ہے کہ تو بڑا سخی داتا ہے۔ کیا میری استدعا کو قبول کرے گا؟ اس نے کہا ہاں جو مانگے گا میں دوں گا اور ہریش چندر کے متعلق بھی یہ مشہور تھا کہ وہ حد سے زیادہ وعدے کا پختہ ہے اور جو ایک

دفعہ قول وقرار دے بیٹھے اس سے پیچھے ہٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، تو اس طرح پختہ قول لینے کے بعد اس نے کہا کہ اپنا سب کچھ مجھے دیدو۔ تمام جائیداد، دولتیں، اموال، گھر جو کچھ تیرا ہے سب کچھ دیدے اور ہریش چندر نے دیدیا اس کے بعد اس نے کہا کہ تو نے سب کچھ نہ دیا۔ ابھی تیرے بچے، بیوی، تو خود ہے اور تیرا جسم ہے، اس کا کیا ہوگا۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ ان سب کو وہ بیچ دیں اور ایک شودر نے جو ہندو Cast System کے مطابق سب سے ذلیل قسم کی ذات ہے آپ کو خرید لیا اور پھر وہ مشقتوں کا دور ہوا اور بہت تکلیفیں ہوئیں۔ مصائب درپیش ہوئے۔ تو ملتی جلتی کہانی ہے۔

حضرت مصلح موعود کا یہ رجحان ہے کہ چونکہ زمانہ بھی کم وبیش ایک ہی ہے اس لئے بعید نہیں کہ حضرت ایوب ایک ہندی نبی ہوں اور (جیسا کہ پہلے بھی میں نے بیان کیا ہے کہ بعض محققین کے نزدیک وہ اسرائیلی نہیں تھے) اس ہندی نبی کی روایات وہاں پہنچی ہوں اور ان کو بائبل کا حصہ بنا دیا گیا ہو۔

اس پس منظر میں اب میں قرآن کریم کی وہ دعا آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کو سکھائی اور وہ یہ تھی۔ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ

یہاں اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ پر دعا کو ختم کیا گیا ہے کہ تو سب رحم کرنیوالوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ حضرت ایوب کی حالت کے متعلق جو تفاصیل ہیں وہ ہمیں قرآن کریم میں نہیں ملتیں لیکن جتنے بھی اشارے ملتے ہیں ان سے پتا چلتا ہے کہ آپ کو بہت ہی تکلیفیں پہنچیں اور جسمانی عوارض بھی بہت لاحق ہوئے اور یہاں تک کہ آپ کو اپنا ملک چھوڑ کر بھی جانا پڑا چنانچہ منجملہ تفصیل کے ساتھ تو ذکر نہیں مگر یہ ضرور ملتا ہے کہ کچھ نہ کچھ واقعات جیسا کہ بیان کئے گئے ہیں ویسے آپ کے ساتھ ضرور پیش آئے یہاں تک کہ سب نے آپ کو چھوڑ دیا۔

اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ کا مطلب ہے کہ اے خدا میری تو یہ حالت پہنچ گئی کہ دنیا کے جتنے رحم کرنے والے ہو سکتے ہیں وہ تو منہ موڑ کر چلے گئے۔ میری بیوی نہ رہی، میرے بچے نہ رہے، میرے شہر والے نہ رہے، جو ایمان لائے تھے انہوں نے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اب میں اکیلا اپنے وطن سے نکلتا ہوں، تو مجھے بتا کہ میں اکیلا کیا کروں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود میں مایوس نہیں، تو اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ہے۔ جس پر کوئی اور رحم کرنیوالا نہ ہو اس پر تو رحم فرماتا ہے۔ اس دعا کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ

(الانبیاء:۸۵) کہ ہم نے اس دردناک پکار کو سنا اور قبول کیا۔ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ اور ان سب تکلیفوں کو کھول دیا اور تبدیل کر دیا جو اسے لاحق تھیں وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ ہم نے اس کے اہل بھی اسے واپس لوٹا دیئے اور اسے اس جیسے اور بھی بہت سے گھر عطا کئے جو اپنا سمجھتے ہوئے ان کے خاندان کی طرح ہی ہو گئے ، یعنی ایسے ان سے محبت کرنیوالے خاندان عطا کئے جو اپنوں سے الگ شمار نہیں کئے جا سکتے تھے جس طرح بعض دفعہ انسانی تعلقات میں بعض خاندانوں میں ایسی محبت ہو جاتی ہے ایسا ملنا جلنا اور قرب کا تعلق ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی گھر کے افراد دکھائی دیتے ہیں۔ پس مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ میں یہ بھی خوشخبری دی گئی کہ ایک گھر تجھ سے چھٹا تھا، تجھے اور بھی بہت سے گھر ہم عطا کریں گے۔ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا یہ خالصۃً ہماری طرف سے رحمت کے طور پر ہوگا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ اور جو عبادت کرنیوالے ہیں ان کے لئے یہ ہمیشہ کے لئے نصیحت ہوگی کہ جس قسم کے بھی ابتلاء در پیش ہوں مایوس نہیں ہونا چاہئے اگر صبر کے ساتھ عبادت پر قائم رہتے ہوئے صرف خدا کی ہی طرف جھکو گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ تمہارے دکھوں کو دور فرما دے گا اور ہر تکلیف کو راحت میں تبدیل فرما دے گا۔

ایک اور دعا جو اس کے بعد مذکور ہے۔ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا ہے وہ یہ ہے کہ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء:۸۸) اور صاحب نون کی اس حالت کو یاد کرو اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا جبکہ وہ بہت سخت خفا ہوئے ہوئے دل کے ساتھ جب اس کا دل بہت ناراض اور تنگی محسوس کر رہا تھا ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ کی طرف گیا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ اور اس نے یہ گمان کیا کہ گویا ہم اس پر غالب نہیں آئیں گے یا اس کے خلاف فیصلہ صادر نہیں کریں گے۔

نَّقْدِرَ عَلَيْهِ کا مطلب یہ بھی ہے کہ کسی کے خلاف فیصلہ کرنا اور ایک یہ مطلب بھی ہے کہ کسی پر غلبہ پالینا تو دونوں مفہوم کچھ نہ کچھ اس صورتحال پر اطلاق پاتے ہیں فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ تب اس نے اندھیروں میں یہ دعا کی اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اے میرے خدا! تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے سُبْحٰنَكَ تو بہت پاک ہے

اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ میں بہت ہی ظلم کرنے والوں سے تھا، میں اپنی خطاؤں کا اقرار کرتا ہوں اس لئے تو ہی ہے تو مجھے اس ظلم کی حالت سے نجات بخش۔اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَاسۡتَجَبۡنَا لَہٗ ۙ وَ نَجَّیۡنٰہُ مِنَ الۡغَمِّ ؕ وَ کَذٰلِکَ نُــۨۡجِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (الانبیاء :۸۹) ہم نے پھر اس کی اس دعا کو سن لیا اور شدید غم سے اس کو رہائی بخشی وَ کَذٰلِکَ نُــۨۡجِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اور اسی طرح ہم مومنوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

حضرت یونسؑ کے متعلق بھی تاریخ میں اختلافات پائے جاتے ہیں اور ضرورت ہے کہ ان کے پس منظر سے متعلق بھی چند الفاظ بیان کئے جائیں حضرت یونسؑ کے متعلق جو بائبل نے واقعات بیان کئے ہیں وہ قرآن کریم سے مختلف ہیں اور ان کی ترتیب بھی بدلی ہوئی ہے اور بائبل کے بیان کے مطابق حضرت یونسؑ کا جو واقعہ ہے وہ ایک ایسی جگہ پیش آیا یعنی یافا میں۔یافا فلسطین کے مغربی ساحل پر ایک بندرگاہ ہے بیان کیا جاتا ہے کہ یافا سے آپ نے وہ جہاز پکڑا تھا یا سمندری کشتی پکڑی تھی جس میں سے بالآخر آپ کو پھینکا گیا۔یہ یافا اس مقام سے جو نینوا کا مقام ہے جسے حضرت یونسؑ کی بستی بھی قرار دیا جاتا ہے اگر سیدھا کوے کی اڑان اڑا جائے تو پانچ سو سے زائد میل دور ہے۔نینوا جس کے متعلق عام طور پر مفسرین کا خیال ہے کہ نینوا وہ بستی تھی جہاں حضرت یونس کو بھجوایا گیا تھا وہ موصل میں واقع ہے جو عراق کے شمال میں آج کل کردوں کا علاقہ ہے۔اس زمانے میں جس زمانے کی یہ بات ہے وہاں (Asyrians) اسیریز کی حکومت تھی۔حضرت یونسؑ کا زمانہ آٹھ سو سال قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے لیکن مختصراً اب میں بائبل کے متعلق بتاتا ہوں کہ بائبل کیا کہتی ہے۔پھر میں قرآن کریم کی طرف آؤں گا کہ قرآن کریم کیا بیان فرماتا ہے۔بائبل کے نزدیک حضرت یونسؑ جن کو جونا یا یونا کہا جاتا ہے اور ان کے نام کی ایک کتاب بھی بائبل میں ہے۔ان کو خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ تو نینوا بستی کو جا کر ڈرا کہ اگر وہ توبہ نہیں کرے گی تو ہلاک کردی جائے گی حضرت یونسؑ نینوا جانے کی بجائے یافا چلے گئے اور یافا جا کر آپ نے وہ کشتی پکڑ لی جس میں سے بالآخر آپ کو قرعہ اندازی کے بعد باہر پھینک دیا گیا اور مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔

اول تو یہ بات قرین قیاس نہیں یعنی ایک مومن جس نے قرآن کریم کا مطالعہ کیا ہو اور انبیاء کی عظمت کا تعارف قرآن کریم سے حاصل ہوا ہو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ سوچ نہیں سکتا کہ خدا ایک

نبی کو مشرقی علاقے میں کسی شہر میں جانے کا حکم دے اور وہ اس طرف پیٹھ کر کے مغرب کی طرف روانہ ہو جائے اور خدا کے حکم کا انکار کر کے کسی اور جگہ کا رخت سفر باندھے، کسی اور جگہ کی تیاری کرلے۔ یہ تو شان نبوت کے بالکل خلاف بات ہے، ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی نبی ایسی کھلی کھلی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ دوسرے وہ زمانہ وہ ہے جبکہ اسیریا کی عراق کے شمالی علاقہ میں بہت ہی زبردست حکومت تھی اور یہ وہی زمانہ ہے جس میں اسیریز نے سب سے پہلے حملہ کر کے بنی اسرائیل کی حکومت کو پارہ پارہ کیا تھا۔ پس تاریخی نقطہ نگاہ سے ناممکن دکھائی دیتا ہے کہ اس زمانے میں فلسطین کے کسی باشندے کو خدا تعالیٰ یہ حکم دے کہ (پانچسو میل تو سیدھا رستہ ہے ویسے زمینی سفر کر کے جو رستہ ہے وہ بہت لمبا بنتا ہے) اتنا لمبا رستہ طے کر کے تم نینوا جاؤ اور وہاں جا کر ان کو دھمکاؤ۔ پس یہ قرین قیاس بات دکھائی نہیں دیتی۔ دوسرے یہ کہ نینوا بستی کے متعلق اس زمانے میں ایسی کوئی شہادت نہیں ہے کہ وہاں کسی نبی نے بھی کسی قسم کی منادی کی ہو اور اس کے نتیجے میں ساری بستی ایمان لے آئی ہو۔

پس بائیبل کا قصہ کئی لحاظ سے قابل قبول نہیں ہے۔ دوسرے بائیبل نے جو واقعات کی ترتیب بیان کی ہے وہ بھی عجیب و غریب ہے۔ بائیبل کے مطابق حضرت یونسؑ نے خدا کا انکار کرتے ہوئے نینوا کی طرف جانے کی بجائے یافا سے کشتی پکڑی اور کسی اور جگہ کا رخ اختیار کیا۔ سمندر میں طوفان آ گیا اور جب کشتی ڈوبنے کے قریب ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ ہم میں کوئی گنہگار ایسا ہے جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا عذاب نازل ہونے لگا ہے۔ اس وقت حضرت یونسؑ نے اقرار کر لیا اور کہا کہ میں ہی وہ ہوں جس کی وجہ سے تم سب کی شامت آ گئی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ تم مجھے کشتی سے باہر پھینک دو۔ چنانچہ ان کو کشتی سے باہر پھینک دیا گیا، وہاں ایک بڑی مچھلی نے آپ کو نگل لیا اور بائیبل کے بیان کے مطابق تین دن اور تین رات مسلسل آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ پھر مچھلی نے آپ کو کسی جگہ اگلا۔ وہاں سے پھر آپ واپس نینوا گئے اور اس طرح بالآخر خدا کی بات پوری کی۔ نینوا جانے کے بعد بھی آپ نے حقیقت میں سچی توبہ نہیں کی بلکہ نینوا والوں کو پیغام دیتے ہوئے یہ بھی کہتے تھے کہ مجھے پتا ہے کہ ان لوگوں نے توبہ کر لینی ہے اور خدا نے معاف کر دینا ہے اور خواہ مخواہ میں بے عزت ہو جاؤں گا۔ چنانچہ جب نینوا کو اللہ تعالیٰ نے تباہ نہیں فرمایا اور نینوا کے باشندوں نے توبہ کر لی تو حضرت یونسؑ خدا تعالیٰ سے روٹھ کر وہاں سے پھر جنگل کی طرف چلے گئے۔ وہاں بائیبل کے بیان کے

مطابق خدا تعالیٰ نے آپ کے لئے ایک بیل دار درخت اگایا، جس کی چھاؤں میں آپ نے امان حاصل کی لیکن پھر ایک کیڑا بھیج دیا جس نے اس کی جڑیں کھالیں اور وہ درخت کھوکھلا ہو کر زمین پر جا پڑا۔ تب حضرت یونسؑ نے ایک اور شکوہ کیا کہ یہ کیا واقعہ ہو گیا کہ ایک چھاؤں تھوڑی سی تھی اس سے بھی محروم رہ گیا اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو کہا کہ یہ درخت تو نے نہیں لگایا تھا اور اس ایک درخت کے مرنے پر تجھے اتنا افسوس ہے جس کے لگانے میں تیری محنت کا کوئی دخل نہیں اور مجھ سے یہ توقع رکھتا ہے کہ لاکھ سے زائد بندے جو میں نے پیدا کئے ان کو آناً فاناً تباہ کر دوں۔ تب حضرت یونسؑ کو یا یونا کو نصیحت حاصل ہوئی۔

قرآن کریم اس سے بالکل مختلف روایت بیان فرماتا ہے سب سے پہلے یہ کہ قرآن کریم میں نینوا بستی کا کوئی ذکر نہیں اور مفسرین نے بائیبل کو پڑھ کر اندازہ لگایا کہ بستی نینوا ہی ہوگی بعضوں کا خیال ہے ذوالنون یعنی نون والا جو کہا گیا ہے اس سے نینوا بستی والا مراد ہے حالانکہ نون، مچھلی کو کہتے ہیں اور صاحب الحوت بھی آپ کو قرار دیا گیا ہے اس لئے پہلی بات تو یہ ہے کہ نینوا کا کوئی ذکر نہیں۔ دوسرے ایک اور اہم بات یہ ہے کہ اگر نینوا سے ناراض ہو کر آپ واپس جائیں تو سات آٹھ سو میل دور جا کر یافا کی بندرگاہ سے کیوں جہاز پکڑیں۔ آپ کے ساتھ ہی دریائے دجلہ تھا نینوا کی بستی دریائے دجلہ کے ایک کنارے پر واقع ہے۔ وہاں سے کشتی لے کر آپ جو بھی سفر اختیار کرنا چاہتے اختیار کر سکتے تھے اس لئے یہ بات بھی قرین قیاس نہیں ہے۔ پس بائیبل کے بیان کے برعکس قرآن کریم نے اول تو اس بستی کا ذکر نہیں فرمایا دوسرے جو واقعہ بیان فرمایا ہے وہ بہت ہی معقول اور مربوط ہے اور اس میں کسی قسم کے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ خصوصیت کے ساتھ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم نے آپ کے تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہنے کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ یہ فرمایا ہے کہ مچھلی نے آپ کو نگلا اور یہ بھی فرمایا ہے کہ آپ نے اس تکلیف اور دکھ کی حالت میں یہ دعا کی ہے اور ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ مچھلی نے اگل دیا، لیکن یہ کہیں ذکر نہیں کہ تین دن اور تین رات آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے۔ پس یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ آپ کچھ عرصہ کے لئے وہاں رہے ہوں۔

اس بات کی وضاحت کی اس لئے خصوصیت سے ضرورت پیش آئی ہے کہ عموماً احمدی، عیسائیوں کے ساتھ گفت وشنید کرتے وقت اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ جیسا کہ

حضرت یونسؑ تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہے اور زندہ رہے اور زندہ حالت ہی میں باہر نکالے گئے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تین دن کی آزمائش کے بعد جس میں چند گھنٹے صلیب پر لٹکنا اور بقیہ عرصہ ایک قبر نما جگہ میں رہنا ہے آپ زندہ وہاں سے باہر نکلے تو میں یہ آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم نے جس بات کا ذکر نہیں کیا وہ حکمت سے خالی نہیں، تین دن جو بائیبل نے ذکر کیا ہے وہ یقیناً غلط ہے تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں کوئی چیز خدا کے قانون کے مطابق زندہ نہیں رہ سکتی اور اس عرصے میں ہڈیاں گل سڑ کے ختم ہو چکی ہوتی ہیں۔یعنی ہر قسم کا گوشت گل سڑ کے ختم ہو جاتا ہے صرف ہڈیوں کا پنجر باقی رہ جاتا ہے اور اس کے علاوہ دم گھٹنا اور تیزابی حالتیں یہ تو سوچنے والی بات ہی نہیں ہے۔پس قرآن کریم نے تین دن کا جو ذکر نہیں کیا وہ حکمت سے خالی بات نہیں ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ مچھلی نے نگلا ہے اور اس کیفیت میں حضرت یونسؑ نے بے اختیار یہ درد ناک دعا کی ہے کہ اے خدا میں کن ظلمات میں پھنس گیا ہوں ۔ یہ میری اپنی ہی ظلمات ہیں۔اپنے گناہوں کی ظلمتیں ہیں اور میں اب تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے معاف کر دے۔میں اپنے جرم کا اقرار کرتا ہوں تو اسی وقت قرآن کریم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مچھلی نے ابکائی لی ہے اور حضرت یونسؑ کو اگل دیا ہے اور یہ اتنی سی دیر ہوگی کہ سمندر کے اتنے پانی میں جہاں وہ بڑی مچھلی آجاتی ہے صرف اس سے ساحل تک پہنچتے پہنچتے کا عرصہ ہے۔کیونکہ آپ کو ساحل کے اوپر اُگلا گیا ہے پھر آپ نے وہاں چند دن ایک بیل کے سائے میں گزارے۔اسی بیل کا پھل کھایا جس نے آپ کو شفا بھی بخشی اور کچھ توانائی بھی دی اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ آپ نے ہجرت کے بعد نبوت کا عرصہ شروع کیا۔

پس خلاصہ جو قرآن کریم کی رو سے بنتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت یونسؑ نبی نینوا یا کسی ایک بستی میں جس کی طرف آپ مبعوث ہوئے تھے خدا کا پیغام لے کر گئے اور بستی والوں نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی کہ اگر اس بستی نے توبہ نہ کی اور استغفار سے کام نہ لیا تو اس عرصے کے اندر اندر یہ ہلاک ہو جائیگی جیسا کہ دیگر انبیاء کی تاریخ سے پتا چلتا ہے اس اطلاع کے بعد حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں سے ہجرت کر کے کچھ فاصلے پر جا کر ٹھہر گئے اور آنے والوں سے اس بستی کا حال پوچھتے رہے، یہاں تک کہ مقررہ وقت گزر گیا۔حضرت یونسؑ کو یہ علم نہیں تھا کہ اس عرصے میں اس بستی نے

نہ صرف توبہ کی بلکہ ایسے دردناک طریق پر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی کہ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ خدا ایسی التجاؤں کو رد نہیں فرمایا کرتا۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے، لیکن یہ قرآن کریم کا بیان نہیں یہ روایات کا اور بائیبل کا بیان ہے کہ بستی کے لوگوں نے حضرت یونسؑ کے نکل جانے کے بعد یہ خیال کیا کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ یہ خدا کا نیک بندہ تھا اس کی باتیں ضرور پوری ہوں گی۔ اس لئے نجات کی صرف یہ راہ ہے کہ ہم سارے اس شہر کو چھوڑ کر باہر میدان میں نکل جائیں اور خدا کے حضور سخت گریہ وزاری کریں اور گریہ وزاری کا اثر بڑھانے کے لئے اور لوگوں کے دلوں میں درد پیدا کرنے کے لئے انہوں نے یہ ترکیب کی کہ ماؤں نے اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلایا اور بکریوں کے بچوں کو بھی تھنوں سے جدا رکھا گیا اور باہر میدان میں جب اس حالت میں گئے تو بچوں کے رونے اور چلانے اور جانوروں کے، جو بھوکے تھے اور پیاسے تھے، شور مچانے کے نتیجے میں ایک کہرام مچ گیا اور ایسی دردناک حالت ہوئی کہ وہ سارا بڑا میدان جس میں ایک لاکھ کے لگ بھگ شہر کے لوگ بڑے چھوٹے موجود تھے، وہ قیامت کا نمونہ بن گیا اور اس طرح وہ روئے اور چلائے کہ جیسے جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے اور وہ تڑپتے ہیں تو چنانچہ خدا تعالیٰ کو اس حالت پر رحم آ گیا اور خدا نے اپنے وعدے کو ٹال دیا چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ کاش باقی لوگ بھی جن کو خدا کے انبیاء نے ڈرایا یونس کی قوم کی طرح ہوتے وہ گریہ وزاری کرتے۔ وہ توبہ واستغفار کرتے، ہم ان کو بھی بخش دیتے اور ان کا دنیا میں نفع کی حالت میں رہنا لمبا کر دیا جاتا، یعنی اچھی حالتیں ان کی لمبی کر دی جاتیں اور ان کو خدا کا عذاب نہ پکڑ لیتا تو یہ وہ واقعہ ہے، حضرت یونسؑ چونکہ اس بات سے بے خبر تھے جب وقت معینہ گزر گیا اور ایک دیہاتی جو اس شہر سے آ رہا تھا اس سے حضرت یونسؑ نے پوچھا کہ کیوں جی بتاؤ اس بستی کا کیا حال ہے؟ تو اس نے کہا وہ ٹھیک ٹھاک ہے، بس رہے ہیں۔ اس پر حضرت یونس اتنے دل برداشتہ ہوئے کہ وہ سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اور میرے ذریعے ان کو یہ وعید دیا تھا کہ تم ہلاک کئے جاؤ گے اور ہلاک نہیں کیا۔ تو شرم کے مارے وہ بستی کو نہیں لوٹے۔ قرآن کریم اس کے بعد کے واقعات کو بہت ہی لطیف انداز میں بیان فرماتا ہے۔ فرماتا ہے وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (الصّٰفّٰت: ۱۴۰) یادرکھو یونس مرسلین میں سے تھا۔ اس گواہی کے ساتھ اس کہانی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے متعلق ایسی بات نہ کہہ دینا جو مرسلین کی شان کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق

یہ نہ خیال کر لینا کہ خدا نے اس کو حکم دیا کہ تو فلاں جگہ جا اور وہ نافرمانی کرتے ہوئے کسی اور جگہ کی طرف چل پڑا تو مرسل وہ بہر حال تھا۔ مرسلین سے بھی بعض دفعہ کچھ غفلتیں ہو جاتی ہیں۔ عام انسان اس سے سینکڑوں گنا بڑی غفلتیں کرتا ہے اور پکڑا نہیں جاتا۔ کیونکہ اس کے معیار کے مطابق وہ گناہ نہیں بنتا لیکن جتنا بلند مقام ہوا تنا ہی داغ نمایاں ہوتا جاتا ہے اور معمولی داغ بھی سفید کپڑوں پر بڑا ہو کر دکھائی دیتا ہے۔ پس یہ مضمون ہے جس کی طرف قرآن کریم اشارہ فرمارہا ہے۔ وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ کہ یونس بہر حال مرسلین میں سے تھا۔ خدا کے برگزیدہ بندوں میں سے تھا۔ جس کو خدا نے اپنا پیغامبر بنا کر بھیجا تھا۔ اس لئے جو کچھ بھی اس سے غلطی ہوئی وہ مرسلین میں پھر بھی رہے گا اور سننے والوں پر یہ واجب ہے کہ وہ ادب کے تقاضوں کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ (الصفت: ۱۴۱) جب وہ بھاگتا ہوا ایک بھرے ہوئے جہاز میں داخل ہوا ابق کا مطلب ہے جیسے گاڑی چھوٹتی ہوئی آپ دیکھتے ہیں تو ڈر کے پکڑتے ہیں گاڑی یا جہاز کی سیٹیاں بج چکی ہیں۔ رخصت ہونے والا ہے تو آپ تیزی سے آگے جاتے ہیں کہ میں رہ نہ جاؤں تو فرمایا کہ وہ جہاز پہلے ہی بھرا ہوا تھا اور چل رہا تھا۔ حضرت یونس نے دیکھا تو دوڑ کر اس کو پکڑا فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ (الصفت: ۱۴۲) قرعہ حضرت یونسؑ نے ڈالا۔ اقرار وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ اپنے گناہوں کا ان کے سامنے اقرار کیا۔ معلوم ہوتا ہے جہاز ڈولا ہے۔ پہلے ہی بھرا ہوا تھا، طوفان آ گیا ہے، لوگ ڈر گئے تو فیصلہ ہوا کہ قرعہ ڈالا جائے اور جہاز کا لفظ تو اس پر اطلاق ہی نہیں کرتا، اس زمانے کے لحاظ سے جہاز کہلاتا ہو گا لیکن ایک عام کشتی تھی ورنہ جہاز سے ایک آدمی کے پھینک دینے سے کوئی فرق نہیں پڑا کرتا۔ اتنی بڑی کشتی تھی۔ اس سے بڑی نہیں تھی کہ اگر اس میں سے ایک آدمی بھی باہر پھینک دیا جائے تو اس کے نہ ڈوبنے کے امکان پیدا ہو سکتے ہیں۔ بچ جانے کے امکان پیدا ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ خدا کی شان ہے کہ یونسؑ سے قرعہ ڈلوایا گیا اور اس میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ پہلے ہی چونکہ بہت سے مسافر بھرے ہوئے تھے، حضرت یونس چونکہ بعد میں آئے تھے، اگر کوئی اور قرعہ ڈالتا تو حضرت یونسؑ کو یہ شک پڑ سکتا تھا کہ مجھے انہوں نے نکالنا ہی تھا بہانہ بنالیا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو بتانے کے لئے کہ میری تقدیر کام کر رہی ہے اس میں کسی بندے کی سازش کا دخل نہیں ہے ایسا انتظام کیا کہ کشتی والوں نے آپ ہی کو کہا کہ آپ قرعہ ڈالیں

چنانچہ جب قرعہ نکالا تو آپ کا اپنا نام نکلا اور الْمُدْحَضِيْنَ یعنی سمندر میں پھینکے ہوؤں میں سے وہ ہو گیا۔ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ (الصّٰفٰت:۱۴۳) اس حالت میں مچھلی نے اسے نگلا کہ وَهُوَ مُلِيْمٌ کہ وہ ملامت کرنے والا تھا۔ یعنی اپنے نفس پر ملامت کرنے والا تھا ملامت زدہ تھا۔ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ (الصّٰفٰت:۱۴۴) پس اگر ایسا ہوتا کہ اس سے پہلے وہ خدا کی تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (الصّٰفٰت:۱۴۵) تو یونس مچھلی کے پیٹ میں اس وقت تک رہتا کہ جس وقت دوبارہ انسانوں کو حشر کے دن اٹھایا جائے گا۔

ان آیات میں اگر آپ ذرا سا مزید غور کریں تو حضرت یونس کے ساتھ جو واقعات پہلے گزرے تھے ان کا بڑے لطیف رنگ میں ذکر موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ہمیں بتایا کہ خدا تعالیٰ جب اپنے بندوں کو سبق دیتا ہے تو نہایت ہی لطیف رنگ میں ان غلطیوں سے مناسبت رکھتے ہوئے سبق دیتا ہے جو ان سے پہلے ہو چکی ہوئی ہوتی ہیں۔ اب یاد کریں کہ حضرت یونسؑ نے ایک بھرے ہوئے شہر کو چھوڑا تھا۔ وہ بھرا ہوا شہر ایسا تھا کہ جو اپنے گناہوں کے باعث ہلاک ہونے کے لائق تھا اور خدا کی تقدیر نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ صرف یونس علیہ السلام ایک ایسا انسان ہے جو بچائے جانے کے لائق ہے اور بھرے ہوئے شہر کو ہلاکت کا نشانہ بنتے ہوئے چھوڑ کر خدا کی وحی کے مطابق حضرت یونسؑ اس شہر سے الگ ہوئے۔ چونکہ اس کے بعد ان سے ایک غلطی سرزد ہوئی اور دل میں یہ خیال گزرا کہ شاید خدا میرے خلاف کوئی فیصلہ نہ کرے چونکہ آپ مرسلین میں سے تھے اس لئے ہم یہ بدظنی نہیں کریں گے کہ یہ خیال انہوں نے کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر قادر نہیں ہو سکتا۔ میں نے غور کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ ترجمہ کرنا یہاں درست نہیں ہے بلکہ بہت ہی لطیف بات ہے جو بیان ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت یونسؑ نے یہ سوچا ہوگا کہ وہ خدا جو ایک لاکھ گنہگاروں کو سخت گناہوں کے باوجود اس فیصلے کے باوجود کہ میں ان کو ہلاک کر دوں گا، پھر معاف کر دیتا ہے تو مجھے کہاں پکڑے گا پھر؟ میں تو نیک بندوں میں شمار ہوتا ہوں، میں تو اس کے مرسلین میں سے ہوں، مجھ سے تو زیادہ رحمت کا سلوک کرے گا۔ پس اس آیت یعنی مجھ پر قدرت نہیں پا سکے گا کا یہ مطلب ہے کہ اللہ میرے خلاف فیصلہ نہیں دے گا۔ جو اتنا رحم کرنے والا خدا ہے اس نے مجھے کہاں کچھ کہنا ہے؟ لیکن یہ بات وہ بھول گئے کہ ہر شخص سے اس کے حالات اور اس کی توفیق کے مطابق سلوک کیا جاتا ہے۔ خدا کے نیک بندوں

سے بہت زیادہ اونچی توقعات ہوتی ہیں پس خدا تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو یہ سبق دینا تھا کہ جب خدا تعالیٰ چاہے اس صورتحال کو بالکل الٹ سکتا ہے پس۔اب آپ کشتی کی طرف آئیں، ایک بھری ہوئی کشتی تھی، وہاں حضرت یونسؑ کے سوا سارے گنہگار تھے لیکن خدا تعالیٰ نے ان سب گنہگاروں کو بچالیا یعنی بظاہر اور جو سب سے معصوم انسان تھا اس کو ہلاکت کی طرف باہر پھینکوادیا اور جو بھی اس پہلے شہر میں واقعہ گزرا تھا اس سے بالکل الٹ مضمون ہوگیا وہاں حضرت یونسؑ ایک بھرے ہوئے شہر کو چھوڑ کر جارہے تھے، جس سارے شہر کو خدا کی تقدیر نے ہلاک کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا اور صرف یہ ایک معصوم انسان تھا جسے نجات کی خبر دی گئی تھی اور کشتی کی حالت یہ تھی کہ وہ گنہگاروں سے بھری ہوئی تھی اور خدا کی تقدیر یہ کہہ رہی تھی کہ ان سب کو میں معاف کرتا ہوں اس نیک بندے کو یہاں سے نکالا جائے جس نے مجھ پر بدظنی کی ہے اور اسے ہلاکت کے منہ میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ مچھلی نے آپ کو نگل بھی لیا، وہاں ظلمات کا لفظ استعمال کرنا، اس سے بھی پتا چلتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے سکھائی ہوئی دعا تھی۔ بہت ہی فصیح و بلیغ کلام ہے۔

فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ

ایک ظلمت کا کام اس سے سرزد ہوا تھا، ساری زندگی نور میں کٹی اور ہلکا سا ظلمت کا سایہ آیا جو اس نے خدا تعالیٰ پر بدظنی کرلی۔ اس کے نتیجے میں وہ ظلمات میں گھر گیا۔ فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ کئی قسم کے اندھیروں میں اس نے بے اختیار یہ دعا کی۔ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے سُبْحٰنَكَ تو ہی پاک ہے۔ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ میں ہی ظالم انسانوں میں سے تھا اور ظلمت اور ظلم یہ دونوں ایک ہی منبع سے نکلے ہیں اور دونوں ہم معنی ہیں۔ ظلم کا مطلب گناہ بھی ہے اور اندھیرا بھی ہے۔ پس اس دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ نجات بخشی اور یہ فرمایا۔

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ میں نے جو یونس کو معاف کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی ساری زندگی تسبیح و تحمید میں گزری تھی۔ پس خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی سابقہ نیکیوں کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے اگرچہ غلطی بہت بڑی ہی کیوں نہ ہوئی ہو جو خدا توقع رکھتا ہے اس کے خلاف انسان سے بعض دفعہ کوئی ایسی غلطی سرزد ہوجاتی ہے جس سے گویا اس کا پچھلا سارا اعمال نامہ سیاہ شمار کرلیا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نیک بندوں کی نیکیوں کو اس طرح بھلا نہیں دیا کرتے، وہ ہمیشہ

تسبیح وتحمید میں وقت گزارا کرتا تھا۔

اس میں ہمارے لئے یہ نصیحت ہے کہ ہم عین وقت کے اوپر جو دعا کریں کہ اے خدا ہم سے غلطی ہوگئی ہمیں ظلم سے نجات بخش ہمیں ظلمات سے نکال دے اوراس سے پہلے خدا کی تسبیح وتحمید نہ کریں تو ہماری دعا میں قبولیت کی وہ طاقت نہیں ہوگی اس لئے ہمیں ہمیشہ خدا تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کی حالت میں رہنا چاہئے۔اس وقت خدا کی تسبیح کرنی چاہئے جبکہ خدا سے کوئی مطالبہ نہیں ہورہا۔کوئی بھیک مانگنے کے لئے اس کے در پر نہیں گئے بلکہ اس کی محبت میں،اس کی یاد میں،اس کے پیار میں ہم اس کی مدح کے گیت گا رہے ہوں اس کی تسبیح بلند کر رہے ہوں۔ایسی حالت میں ہمیں جب بھی مشکل پیش آئے گی تب خدا تعالیٰ اس پرانی تسبیح کو یاد کرتے ہوئے اگرچہ گناہ بڑا بھی ہوگیا ہوتب بھی مغفرت کا سلوک فرمائے گا۔

پس وہ لوگ جو بعض دفعہ مجھے یہ لکھتے ہیں کہ ہم مصیبت میں گھر گئے،ہم نے تو بڑی التجائیں کیں ، بڑا شور مچایا بہت روئے پیٹے ،ہماری دعا قبول نہیں ہوئی ان کے لئے اس میں نصیحت ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ پہلی زندگی میں وہ خدا سے غافل رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے نعمتیں عطا کیں لیکن انہیں خدا کو یاد رکھنے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔اسی وقت یاد آیا جبکہ ضرورت پیش آئی تو جب ضرورت پیش آئی اس وقت کی یاد کی کوئی حقیقت نہیں ہوا کرتی ،کوئی قیمت نہیں ہوا کرتی۔

پس ضمناً یاد کرادوں وہ تین دن والی جو بحث ہے اس کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے کہ آپ اصرار کریں کہ ضرور تین دن ہی مچھلی کے پیٹ میں رہے تھے۔تین دن کی خطرناک حالت ہم کہہ سکتے ہیں۔معلوم ہوتا ہے بائیبل میں جو واقعہ ہے وہ لکھنے والوں کو پوری طرح واضح نہیں تھا۔خدا تعالیٰ نے ممکن ہے کسی نیک بندے پر وحی کی ہو یا ایک باہر کے نبی کا قصہ وہاں پہنچا ہو اور اس میں غلطی رہ گئی ہو۔ تین دن کی انتہائی نازک حالت کا ذکر ہوگا جس کو یہ سمجھ لیا گیا کہ گویا تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہے یہ ایسی ہی بات ہے جیسے دل کا حملہ ہوتا ہے تو تین دن تک بعض دفعہ ایک شخص Intensive care میں رکھا جاتا ہے یعنی ایسی حالت میں جہاں زندگی اور موت کے درمیان کشمکش جاری ہوتی ہے پس وہ حالت جس میں بظاہر موت غالب آنے والی ہوا سے ہم خطرناک حالت قرار دیتے ہیں،بیماری تو بعد میں بھی کچھ چلتی ہے لیکن اس بعد کی حالت میں صحت کے غلبے کے امکان بڑھ جاتے ہیں۔پس

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بھی صلیب پر چند گھنٹے رہنے کے بعد دواڑھائی دن ایسی ہی حالت رہی کہ گویا جانکنی کی حالت تھی ،شدید گہرے زخموں میں آپ مبتلا تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ دم آیا کہ نہ آیا، کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا،تو تین دن کی مشابہت اس رنگ میں حضرت یونسؑ سے ہوئی کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی مچھلی نے خواہ چند ثانیوں کے لئے یا ایک دومنٹ کے لئے ہی پیٹ میں رکھا ہو، جب اگلا ہے تو اس کے زخم بھی اتنے کاری تھے اور اتنا گہرا نقصان ہو چکا تھا کہ تین دن اس کے بعد جان کنی کی حالت میں رہے ہیں۔اگر خدا تعالیٰ بیل اگا کر اس کا سایہ نہ کر دیتا اور اس بیل میں شفا نہ رکھتا تو آپ کے بچنے کے بظاہر کوئی امکان نہیں تھے اور ایسی حالت سے بھی اللہ تعالیٰ نجات بخش دیتا ہے۔پس جہاں بعض احتیاطوں کے سبق ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بے انتہاء ہونے کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ایسی خطرناک حالت میں بھی خدا تعالیٰ بچا سکتا ہے جس سے بظاہر بچنے کی کوئی صورت نہ ہو۔

اب میں آخر میں حضرت زکریا کی دعا کے بعد اس خطبہ کو ختم کروں گا حضرت زکریا کی ایک دعا پہلے بھی گزر چکی ہے۔اب جو دعا قرآن کریم نے دوسرے لفظوں میں ہمارے سامنے رکھی ہے وہ یہ ہے۔ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ (انبیاء:۹۰) کہ زکریا کو بھی یاد کرو اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ جب اس نے اپنے رب کو پکارا اور یہ عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا اے میرے خدا! مجھے اکیلا نہ چھوڑ وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ اور سب وارثوں میں بہتر تو ہی وارث ہے۔پہلی دعا سے متعلق اگر کسی کو غلط فہمی پیدا ہوئی ہو تو اس دعا میں اس کا ازالہ فرما دیا گیا ہے۔پہلی دعا میں یہ ذکر تھا کہ آپ نے یہ عرض کی کہ اے خدا! میرا کوئی والی نہیں ہے، مجھے شریکوں کا ڈر ہے، میری بیوی بانجھ ہے اور بوڑھی ہے، میرے مرنے کے بعد وہ اکیلی رہ جائے گی تو کوئی اس کی حفاظت کرنے والا نہیں ہوگا۔اس سے کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ حضرت زکریا کے نزدیک ظاہری اولاد کی ظاہری حکمتوں کے پیش نظر اہمیت ہے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر میرا وارث نہ ہوا تو میرے پیچھے میری بیوی گویا لاوارث رہ جائے گی تو حضرت زکریاؑ چونکہ خدا تعالیٰ سے بے انتہاء پیار کرنے والے اور اس پر بے حد توکل کرنے والے انسان تھے اس لئے اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے ان کی ایک اور دعا بھی قرآن کریم میں بیان فرما دی۔اس میں وہ کہتے ہیں کہ اے خدا! میری خواہش تو یہی ہے کہ

میں اکیلا نہ رہوں، میرے بعد میری اولاد آئے لیکن یہ معنے نہیں ہیں کہ اولاد نہ ہوئی تو میرے پیچھے میری بیوی اور باقی جو بھی سلسلہ ہے وہ لاوارث ہو جائے گا۔ وَّ اَنۡتَ خَیۡرُ الۡوٰرِثِیۡنَ ہر شخص کے بعد تو ہی اصل وارث ہوا کرتا ہے اور اس کی ہر جائیداد، ہر عزت، ہر دولت اور ہر ذمہ داری تیری طرف لوٹ جاتی ہے۔ یہاں وارث کے دو معنے ہیں ان دونوں معنوں میں آپ کو دعا کرنی چاہئے۔ یعنی ان دونوں معنوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے دعا کرنی چاہئے۔ ایک وارث وہ ہے جو جائیداد پالیتا ہے اور ایک وارث وہ ہے جو ذمہ داریاں ورثے میں پاتا ہے اور سچا وارث وہ ہوتا ہے جو ان کو ادا کرتا ہے تو اَنۡتَ خَیۡرُ الۡوٰرِثِیۡنَ میں یہ دونوں باتیں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے خدا! جو کچھ میرا ہے میرا تو ہے ہی کوئی نہیں۔ کسی کا بھی کچھ نہیں ہم تو مر کر یہاں سے چلے جانے والے ہیں جو کچھ تو نے ہمیں عطا کیا ہے وہ سب تیری طرف واپس لوٹتا ہے اور تو ہی ہے جو باقی رہے گا اور ہر چیز آخر تیری ہی ہوگی۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ دنیا والے وارث تو اپنی ذمہ داریاں ادا کریں نہ کریں۔ جو تجھ پر توکل رکھتے ہیں ان کا صحیح وارث تو ہی ہوا کرتا ہے اور ان کے سارے بوجھ تو اٹھالیتا ہے ان کے قرضے اتارنے کا بھی تو ہی انتظام کرتا ہے۔ ان کی دیگر ذمہ داریوں کا بھی تو ہی ذمہ دار بن جاتا ہے پس وارث ان دونوں معنوں میں ہے۔ پس وہ لوگ جو اولاد کی تمنا رکھتے ہیں ان کو یہ دعا ان معنوں میں کرنی چاہئے کہ ہم تمنا تو رکھتے ہیں مگر یہ مطلب نہیں ہے کہ اولاد نہیں ہوگی تو ہم برباد ہو جائیں گے ہمارا تو ہی تو ہے اور تو ہمیشہ رہنے والا ہے اور جس کا تو ہو جائے اس کے نام مٹا نہیں کرتے اس کی ذمہ داریاں اس کے بعد بھی ادا ہوا کرتی ہیں۔ پس اگر تو اولاد نہ دے تو ہم ناراض نہیں ہم خفگی محسوس نہیں کرتے، تمنا ہے اگر عطا کردے تو بہتر ہے ورنہ تو بہترین وارث ہے۔ تیرے ہوتے ہوئے ہم کسی قسم کے شکوے کا حق نہیں رکھتے چنانچہ فرمایا۔ فَاسۡتَجَبۡنَا لَہٗ ۫ وَ وَہَبۡنَا لَہٗ یَحۡیٰی وَ اَصۡلَحۡنَا لَہٗ زَوۡجَہٗ (الانبیاء:۹۱) پس ہم نے اس کی دعا کو قبول فرمالیا اور اسے ہم نے یحییٰ بطور تحفہ عطا کیا وَ اَصۡلَحۡنَا لَہٗ زَوۡجَہٗ اور اس کی بوڑھی بانجھ زوجہ کی اصلاح فرمادی۔ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ وَ یَدۡعُوۡنَنَا رَغَبًا وَّ رَہَبًا یہاں بھی قبولیت دعا کی حکمت واضح فرمادی کہ کیوں بعض لوگوں کی دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ فرمایا اِنَّہُمۡ کَانُوۡا یُسٰرِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ یہ وہ لوگ تھے جو محض ضرورت کے وقت میرے پاس نہیں آیا کرتے تھے بلکہ ہمیشہ میری محبت کے نتیجہ میں نیک

کاموں میں سبقت لے جایا کرتے تھے۔ بنی نوع انسان کی خدمت کیا کرتے تھے جو بھی بھلائی کا موقع آتا تھا اس سے چوکتے نہیں تھے بلکہ آگے بڑھ بڑھ کر نیک کاموں میں حصہ لیا کرتے تھے۔

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا اور ہمیشہ مجھے یاد کیا کرتے تھے اور میرے سے دعائیں کیا کرتے تھے، رغبت رکھتے ہوئے بھی اور خوف رکھتے ہوئے بھی بعض دفعہ میری رضا کی تمنا میں اور لالچ میں کہ خدا ہم سے راضی ہو اور بعض دفعہ اس خوف میں دعا کیا کرتے تھے کہ کہیں کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ خدا ناراض ہو جائے اور پھر فرمایا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ اور وہ ہمیشہ میرے ساتھ عاجزی کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ بہت ہی خشوع و خضوع کرنے والے تھے۔ پس جن کا یہ دستور ہو ان کی دعائیں جو غیر معمولی حالات میں قبول ہوئی ہیں تو اس کا یہ پس منظر ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت زکریاؑ کے حق میں خدا تعالیٰ نے ایسا اعجازی نشان دکھا دیا، ہم دعا مانگتے ہیں، ہماری بوڑھی بیوی تو کچھ بھی نہیں جنتی، ہماری بانجھ عورت کو تو کچھ نہیں ہوتا۔ ہماری کمزوریاں تو دور نہیں ہوتیں، ان کے لئے نصیحت ہے کہ خدا سے غیر معمولی طلب کرنے والے اپنے اندر بھی غیر معمولی تبدیلیاں پیدا کیا کرتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کو خدا کی خاطر بدل دیتے ہیں اور محض اپنی ضرورت کے وقت خدا کے حضور حاضر نہیں ہوتے بلکہ ساری زندگی حاضر رہتے ہیں۔ اور اس کی رضا پر بھی راضی رہتے ہیں، اس کے ابتلاء پر بھی راضی رہتے ہیں اور ہمیشہ یہ خوف ان کو دامنگیر ہوتا ہے کہ کہیں خدا ہماری کسی کوتاہی کی وجہ سے ہم سے ناراض نہ ہو اور ہم اس کی رضا سے محروم نہ رہ جائیں۔ پس ایسے لوگوں کی دعائیں غیر معمولی طور پر اعجازی رنگ میں قبول کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ایسے بندوں میں شامل فرمائے کہ ہم اس سے بہت کچھ مانگیں اور التجاؤں کے ساتھ مانگیں لیکن اس فیصلے کے ساتھ مانگیں کہ اگر وہ رد کر دے گا تب بھی ہم راضی رہیں گے۔ حضرت مصلح موعود کا یہ شعر جو میں پہلے بھی بارہا پڑھ چکا ہوں مجھے بہت ہی پیارا، آپ کے سب شعروں میں زیادہ پیارا لگتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ

؎ ہو فضل تیرا یا رب یا کوئی ابتلاء ہو
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو (کلام محمود صفحہ: ۲۷۳)

اے ہمارے اللہ! چاہتے تو فضل ہیں لیکن فضل ہو یا ابتلاء آجائے، تیری طرف سے اگر ابتلا

آ جائے اور رضا والا ابتلاء ہونا راضگی والا ابتلاء نہ ہو

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو

اس روح کے ساتھ آپ دعائیں کیا کریں تو آپ نے سب کچھ پالیا وہی لوگ دنیا میں کامیاب ہوں گے جو مالک کی ہر ادا سے راضی ہوں جن کو خیرات سے پیار نہ ہو خیرات دینے والے ہاتھ سے پیار ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور انور نے فرمایا:۔

ابھی نماز جمعہ ہونے کے بعد نماز جنازہ ہوگی ۔ جرمنی کی یہ خاتون امۃ العزیز جو فیصل آباد کے نائب امیر چوہدری غلام دستگیر صاحب کی بہو تھیں ۔ بہت ہی نیک خاتون سلسلے سے بے حد محبت اور خلوص رکھنے والی اور خلافت احمدیہ سے تو ان کو ایسا عشق تھا کہ ایک مثالی عشق تھا بلکہ حیرت ہوتی تھی کہ کس طرح ان کو محبت بھی ہے، یقین اور اعتماد بھی ہے۔ کئی دفعہ پہلے فیصل آباد میں اس حد تک بیمار ہوگئیں کہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ خلیفہ وقت دعا کریں گے تو میں ٹھیک ہو جاؤں گی ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اخلاص کو قبول کیا اور حیرت انگیز طریق پر شفایاب ہوئیں ۔ پھر خواہش کے مطابق لنڈن بھی آئیں ۔ مجھ سے ملیں بعد میں واپس جا کر پھر دوبارہ جرمنی آئیں ۔ اب چند مہینے پہلے سے ان کی حالت بہت زیادہ خراب ہوئی اور ایک اور بیماری ہوئی یعنی لنگز (Lungs) کا کینسر تھا تو اس وقت بھی ان کے ایمان میں کوئی لغزش نہیں آئی ۔ توکل میں کوئی فرق نہیں پڑا اور ہسپتال میں ایک دفعہ لاعلاج کر کے گویا پھینک دیا گیا تھا تو ان کی طرف سے پھر مجھے پیغام ملا ۔ پھر خدا تعالےٰ نے دعا کی توفیق دی اور اس حالت سے نکل کر پھر خدا کے فضل سے باہر آ گئیں لیکن تقدیر جو ہے وہ تو لازماً آنی ہے یعنی موت تو ٹل ہی نہیں سکتی ۔ یہ وہم تو دلوں سے نکل جانا چاہئے کہ کوئی شخص تقدیر سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔ دعا سے خدا تعالیٰ اپنے پیار اور محبت کے اظہار کے لئے تھوڑی سی مہلتیں بڑھا دیا کرتا ہے۔ آخر ان کا وقت آنا ہی تھا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان کی یہ شدید خواہش تھی کہ میں ان کا جنازہ پڑھوں ۔ چنانچہ جب ہم یہاں جرمنی آ رہے تھے تو میری اہلیہ نے مجھے یاد کرایا۔ انہوں نے کہا کہ دیکھو، اس کی یہ جو تمنا تھی خدا نے یہ بھی پوری کر دی اور اس وقت تک نہیں مری جب تک آپ کے جرمنی آنے کا انتظام نہیں ہوا۔ ورنہ جنازہ غائب ہی ہو سکتا تھا۔ سامنے

رکھ کر تو جنازہ نہیں پڑھا جا سکتا تھا۔اللہ تعالیٰ ہمارے احمدیوں، بڑوں چھوٹوں، مردوں عورتوں کے دل میں اسی طرح اخلاص پیدا کرے۔اسی طرح ان کے اخلاص کو نوازتا رہے۔اپنے قرب کے نشان دکھاتا رہے۔ان کے بچے چھوٹے ہیں۔ان کے لئے بھی خصوصیت سے دعا کریں۔اللہ تعالیٰ ان بچوں کو بھی اسی رنگ میں رنگین فرمائے اوران کا حامی و ناصر ہو۔وہی خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ہے جو یہ دعا تھی اسی پر تان ٹوٹتی ہے۔باقی وارث تو آنے جانے والے ہیں۔ذمہ داریاں ادا کریں نہ کریں۔اگر خدا کسی کا وارث بن جائے تو پھر اسے کوئی غم اور کوئی فکر نہیں رہتا۔

اس کے علاوہ دو جنازہ غائب ہیں۔ایک مسماۃ امۃ الرشید زوجہ چوہدری محمد سعید صاحب کلیم اور دوسرا ڈاکٹر رفیق بخاری صاحب کی ہمشیرہ ہیں۔ان کو بھی اس دعا میں شامل کرلیں۔نماز جمعہ کے معاً بعد آپ سب اسی طرح صفوں کی حالت میں کھڑے ہو جائیں۔میں چند ساتھیوں کے ساتھ باہر نعش کے سامنے حسب سنت نماز جنازہ پڑھوں گا۔یہاں آپ کو آواز آئے گی اوراس طرح آپ یہیں کھڑے کھڑے اس جنازہ میں شامل ہو جائیں گے۔اس کے علاوہ جرمنی کے بعض دوستوں نے مجھے خط لکھے تھے۔مجھے اب یاد نہیں رہا وہ وہاں انگلستان میں ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ وہ کون کون تھے۔تو ہم سب کو غائبانہ طور پر دعا میں شامل کر لیتے ہیں۔خدا کے علم میں ہے۔وہ خواہشمند کون تھے۔اللہ تعالیٰ ان سب کو اس مغفرت کی دعا میں حصہ دار بنا دے۔(آمین)